صاف چادر

خالد فتح محمد

اُس رات انتظار کے بعد بارش آئی تھی اور اگلی صبح تک جاری رہی تھی۔ خداداد گھر سے نکلا تو فضا سفید چادر کی طرح صاف تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اُس چادر کو تیز بارش ہی دھو سکتی ہے' بوندا باندی تو اِس پر پھیلی غلاظت کو بدنما دھبوں میں بدل دے گی۔ یہ دھبے اُس کے پیشے اور شوق کے دشمن تھے۔ وہ زمین کی چھاتی کو صحت مند، سرسبز، لہلہاتے ہوئے اور فضا کو سفید چادر کی طرح بے داغ رکھنا چاہتا تھا تاکہ یہاں زندگی کا حسن قائم رہے۔ اُس نے جب ہوش سنبھالا تو اُس کے باپ نے درانتی، کھرپا اور کسّی اُس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا تھا:

''یہ تمھارے ہتھیار ہیں۔ ان کے ساتھ ہمیشہ انصاف کرنا۔ ناانصافی کی' تو یہ تمھیں کبھی معاف نہیں کریں گے!''

خداداد اُس نصیحت کو پوٹلی میں روٹی کے ساتھ باندھ کر چل نکلا۔

وہ سرکاری مالی تھا۔ اُس کے ساتھ اور بھی کئی باغبان تھے لیکن اُس کا کام سب سے الگ ہوتا۔ اُس کی تیار کردہ کیاریاں نرم ہوتیں اور ان میں ہمیشہ کھاد مناسب مقدار میں موجود ہوتی۔ پھولوں کی کیاریوں میں گھاس یا کسی جڑی بوٹی کا اُگ آنا اُس کے لیے طعنہ ہوتا۔ وہ کبھی اُس بات پر سمجھوتا نہ کر سکا کہ کیاری میں کچھ اور بھی اُگے۔ دوسرے مالی پھولوں کی ایک کیاری ہی میں پنیری کے لیے بیج پھینک دیتے۔ خداداد کا طریقہ کار مختلف تھا۔ اُس نے پنیری کے لیے ایک جگہ رکھی ہوتی اور اُسے بہت محنت سے تیار کرتا۔ پہلے کسّی اور کھرپے سے خوب گوڈی کرتا۔ اُس کیاری کے اندر کنکر یا ڈھیلا کبھی نہ ہوتا۔ وہ تمام مٹی کو انگلیوں سے مَس کرتا۔ اُس کے بعد وہ اپنی تیار کی ہوئی کھاد اُس میں ڈالتا۔ اُس کے ساتھی ہمیشہ مذاق اُڑاتے' اُن کے خیال میں کسی دوپہر کو کام کرتے ہوئے گرمی سے اُس کا دماغ چل گیا تھا۔ اُس نے نرسری کے علاقے میں ایک کونا مخصوص کر رکھا تھا۔ جہاں وہ ایک گڑھے میں پتے، گھاس، جڑی بوٹیاں، پھولوں کے خشک پودے وغیرہ ڈال کر اُن کے اوپر مٹی ڈال دیتا۔ یہ مواد کم از کم چھ ماہ تک گلتا رہتا۔ پھر وہ مناسب مقدار نکال کر پہلے پنیری والی کیاری میں ڈالتا اور کھاد اور مٹی کو آپس میں ملا دیتا۔ اِس کے بعد پتلے پانی کے

ساتھ کیاری کو سیراب کرتا اور وتر آ جانے تک انتظار کرتا۔ وتر آنے کے اگلی صبح کیاری گوڈ کر بیج ڈال دیتا اور شروع کے دو دن کیاری کے سرھانے بیٹھا رہتا مبادا کہ چڑیاں بیج چُگ جائیں۔ اُسے چیونٹیوں پر بھی نظر رکھنا ہوتی کہ اُن کی قطاریں کہیں بیج نکالنا نہ شروع کر دیں۔ پھر کسی صبح کہیں سبزے کا برائے نام سا نشان نظر آتا اور شام تک کیاری چھوٹے چھوٹے، بے شکل سے پتوں سے بھر جاتی اور ایک آدھ دن بعد یہ پتے اپنی شکل اختیار کر لیتے۔

تب خداداد بڑی کیاریاں تیار کرنا شروع کر دیتا۔ ان کیاریوں کو ہموار کرتا اور کھاد ڈال کر خوب گوڈی کرتا۔ گوڈی کے بعد ایک مرتبہ کیاریوں کو پھر ہموار کرتا اور ان میں پنیری منتقل کرنا شروع کر دیتا۔ وہ پنیری کو مناسب فاصلے پر اس طرح لگاتا کہ پودے ہر طرف سے سیدھی قطار میں نظر آتے۔ پنیری لگانے کے بعد وہ ہلکا سا پانی دے دیتا۔

خداداد گلاب کو موسمی پھولوں سے بھی زیادہ لاڈ پیار سے پالتا۔ گلاب کے لیے کھاد تیار کرنے کے لیے الگ گڑھا کھودتا جس میں یہ کھاد چھ ماہ گل سڑ جائے ایک سال میں تیار ہوتی۔ نومبر آخیر میں وہ گلاب کو گہرا رکھ کر گوڈتا اور بہت پتلے پانی سے آب یاری کرتا۔ خنکی کی وجہ سے کیاریوں کو وتر آنے میں دس دن لگ جاتے۔ جب کیاریاں وتر پر آ جاتیں تو وہ انھیں پھر گوڈتا اور گلاب کی کٹائی شروع کر دیتا۔ کٹائی کرتے وقت دھیان رکھتا کہ ہر ٹہنی کی کھال سلامت رہے۔ وہ محسوس کر سکتا تھا کہ اُتری ہوئی کھال والی ٹہنیاں تکلیف میں ہونے کی وجہ سے دباؤ میں آ جاتی ہیں۔ تمام گلاب ایک سا کاٹنے کے بعد کیاریوں میں بھاری مقدار میں کھاد ملاتا اور پھر بہت محنت سے مٹی کے اندر کھاد کی آمیزش کرتا۔ یہ گلاب اُسے بہت عزیز تھے۔ اُن کے پھولوں کے رنگ میں اُسے اپنی محبت اور وارفتگی کا عکس نظر آتا۔ اُسے بیمار کم زور کلیاں توڑنا ایک عذاب سے کم نہ لگتا۔ اُسے یوں محسوس ہوتا کہ اُس کی اپنی انگلیاں کٹ رہی ہیں۔ بیمار یا کم زور کلی کو دیکھتے ہی وہ افسردہ ہو جاتا مگر وہ انھیں توڑ پھینکنا بھی ضروری سمجھتا کہ اُن کی موجودگی میں دوسری کلیاں بھی بیمار ہو سکتی ہیں۔

خداداد گلِ داؤدی کو بھی شوق اور لگن سے پروان چڑھاتا۔ اگلے چند سالوں سے گلِ داؤدی کے چھوٹے پھول بھی تیار کر لیے گئے تھے، یہ سلسلہ اُسے بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ وہ کہتا: یہ ایسے ہی ہے کہ بونوں کی نسل تیار کر لی جائے۔ گلِ داؤدی کو سیدھا رکھنے کے لیے تنے کو ایک سے زیادہ سہاروں کی ضرورت ہوتی کیوں کہ پھول کا وزن، تنے کے حجم اور بوجھ اُٹھانے کی اہلیت سے کہیں زیادہ ہوتا۔ اُسے صرف سفید گلِ داؤدی لگانا پسند تھا جن کی قطاریں اُسے سفید چادریں اوڑھے جوان لڑکیاں باتیں کرتے

لگتیں...وُہ اُداس شاموں میں اُن کی باتیں سُنا کرتا۔

خداداد شہر کے سب سے بڑے پارک میں کام کرتا تھا۔اُس کی لگن اور شوق کو دیکھ کر محکمے نے اُسے میٹ بنانے کا فیصلہ کیا لیکن خداداد نے یہ ذمے داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔میٹ بن کر وہ کیاریوں اور پھولوں سے دُور ہو جاتا۔اُس کی خواہش تھی کہ کوئی تو ایسا ہو جسے صرف پھولوں سے دِل چسپی ہو اور جو پارک کو رنگ رنگ کے پھولوں،صحت مند گھاس اور مست و بے فکر درختوں کا گھر بنائے رکھے۔خداداد نے محسوس کیا کہ پارک میں درخت صحت مند نہیں رہے'بیش تر کے پتے زرد اور مُرجھائے ہوئے ہیں اور اُن کی کھال بھی اپنی تازگی کھو بیٹھی ہے۔اُس نے اپنے تجربے کی بنا پر ایک درخت کی جڑیں کھودیں تو وہ سکتے میں آ گیا۔جڑوں کو عجیب قسم کا جالا لگا ہوا تھا۔خداداد نے جالا ہٹا کے جڑوں کو دھویا'بازار سے یوریا اور ڈی اے پی خریدی'اُسے اپنی کھاد اور مٹی کے ساتھ مِلا کر جڑوں میں ڈالا اور خوب پانی دیا۔دنوں میں درخت پر تازہ اور صحت مند پتے نکل آئے،پھر آہستہ آہستہ وُہ پہلے جیسا ہونا شروع ہو گیا۔خداداد نے اپنے طور محکمہ زراعت سے رابطہ کیا تو ماہرین کے ایک ٹولے نے پارک میں پہنچ کر تحقیق کا کام شروع کر دیا۔پارک کے افسروں کو خداداد کی یہ حرکت دخل در معقولات لگی۔اُسے فوری طور پر پارک سے تبدیل کر کے شہر کی سب سے بڑی شاہ راہ پر اُس کی تعیناتی کر دی گئی۔اُس شاہ راہ پر ہر وقت کاریں'موٹر سائیکل'رکشا اور مقامی بسیں دھواں چھوڑتے چلتی رہتیں۔یہ دھواں خداداد کو اپنا دُشمن لگا۔وُہ شاہ راہ پر لگے درختوں اور پودوں کو کیوں کر بچا سکتا تھا!ضلعی انتظامیہ نے اگرچہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر فوارے لگا رکھے تھے لیکن اُن کا پانی کالے زہریلے اور بھو کے دھوئیں کو بے اثر نہیں کر سکتا تھا۔خداداد جانتا تھا کہ اِس دھوئیں کے اثر کو صرف پانی زائل کر سکتا ہے۔وُہ کھرپا لیے سارا دِن دھوئیں میں پودوں اور درختوں کو زندہ رکھنے کے جتن کرتا رہتا اور بادلوں سے خالی آسمان کو ویران آنکھوں سے دیکھتا رہتا۔وُہ سوچتا:اگر بارش اِس طرح کم ہوتی گئی اور دھواں بڑھتا گیا تو درخت اور پودے تو درکنار انسان بھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔وُہ سوچتا'کیا اُس کے کھرپے،کسّی اور درانتی کی محنت رائیگاں جائے گی!

اِسی اُدھیڑ بن میں خداداد کا بیٹا جوان ہو گیا تو اُس نے اپنے باپ کی طرح اُسے بھی کھرپا،کسّی اور درانتی تھما دی۔بیٹے نے خداداد کے کندھے کے اوپر سے ایسے دیکھا جیسے کوئی آ رہا ہے۔خداداد نے مڑ کر دیکھا تو وہ اوزار پھینک کر بھاگ گیا۔اُسے لگا کہ ایک تن آور درخت جڑ سے اُکھڑ گیا ہے۔اُس کا بیٹا کئی دنوں تک گھر نہ آیا۔ایک رات دروازے کے باہر ہارن کی آواز سنائی دی۔پہلے تو خداداد نے غور نہ کیا۔مگر

جب ہارن بار بار بجا تو اُس نے دروازے میں سے جھانکا..ایک رکشا کھڑا تھا۔خداداد سمجھا کہ کوئی آیا ہے۔وُہ مہمان سے ملنے کے لیے باہر گیا تو اُس کا بیٹا رکشے پر بیٹھا ہُوا تھا:

''ابا! کھرپا اور کسّی میرے کام کے نہیں تھے۔میں رکشا قسطوں پر لے آیا ہوں۔مجھے باغوں سے وحشت ہوتی ہے''۔

خداداد خاموش کھڑا اپنے بیٹے کا منہ دیکھتا رہا اور پھر جواب دیے بغیر صحن میں آ گیا۔وہ اُسے کیا جواب دیتا وہ تو نسل در نسل باغبانی کرتے آئے تھے۔آج اُسے یہ سلسلہ ٹوٹتے ہُوئے محسوس ہُوا۔وُہ سوچ رہا تھا' کیا پھول اور درخت اُسے معاف کر دیں گے۔

اُس رات طویل انتظار کے بعد بارش آئی تھی اور صبح تک برستی رہی تھی!

خداداد نے اپنے تنگ صحن میں بھی گلاب کی نرسری لگا رکھی تھی۔وُہ شام کو گھر آتا تو اپنا حقہ لے کر پھولوں کے درمیان بیٹھ جاتا اور محسوس کرتا کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ محوِ گفت گو ہے۔خداداد خاموشی سے پھولوں کی شکائتیں سنتا اور اُنھیں سمجھاتا رہتا۔پھولوں کو اُس کے بیٹے کے رکشا، چھوڑے دھوئیں اور شور سے نفرت تھی۔وہ اُنھیں سمجھاتا کہ وہ بے بس ہے...بیٹے کا رکشا اُسے بھی پسند نہیں لیکن اب وہ اُسے بند نہیں کرا سکتا۔رکشا گھر میں اتنے پیسے لا رہا تھا کہ اُن کی زندگی میں قدرے سکون آ گیا تھا۔گلاب یہ بات نہیں سمجھ پاتے تھے۔وہ ضد کرتے کہ جب اُن کے آرام کا وقت ہوتا ہے تو رکشا آ دھمکتا ہے۔خداداد کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے اور وہ اُنھیں سہلاتے ہوئے اپنی انگلیوں کو زخمی کر لیتا۔

شاہ راہ پر دھواں روز بہ روز بڑھتا جا رہا تھا۔خداداد کو سڑک پر پیپل، ٹاہلی اور جامن کے پرانے درختوں کو دیکھ کر رونا آتا۔وہ درخت زندہ تو تھے لیکن اُن کی روح دم توڑ چکی تھی۔پیپلوں پر گولیں نہیں لگ رہی تھیں' جامن بھی برسات میں خالی رہتے اور ٹاہلیوں کے پتے اپنی شکل ہی بدل گئے تھے۔تمام درختوں کی رنگت خاکستری ہو گئی تھی۔وہ کبھی ان درختوں کو دیکھتا اور کبھی ٹریفک کے دھواں اگلتے اژدھا کو۔وہ سوچتا کہ انسان اُس وقت تک زندہ ہے جب تک یہ درخت سلامت ہیں اور درخت تب ہی بچ سکیں گے اگر دھواں نہ ہو اور اِس کا علاج صرف بارش ہے۔اُس دِن خداداد نے نماز پڑھنے کے بعد بارش کے لیے اُس وقت تک دعا مانگنے کا فیصلہ کیا جب تک کہ فضا کی چادر دُھل کر مکمل طور پر صاف نہ ہو جائے اور ٹریفک کی بہ جائے تمام سڑکوں پر پانی کی نہریں چلنا نہ شروع ہو جائیں! مگر پھر اُس نے سوچا: اگر ایسا ہو گیا تو اُس کے بیٹے کا رکشا....!

سمبل

تزئین: سلیم پاشا

خطاطی: رحیم شاہ

حروف بینی: صابر خاکی

زرسالانہ:

اندرونِ ملک: عام ڈاک سے: ۳۰۰ روپے، رجسٹرڈ رکوریئر سے: ۴۰۰ روپے

بھارت: ۶۰۰ روپے، یورپ رامریکا رمشرق وسطی: ۱۳۰ امریکی ڈالر

ذرائع ترسیل زر:

منی آرڈر رچیک (جوراول پنڈی راسلام آباد کے بنک سے کیش ہو سکے) بنام سہ ماہی 'سمبل'

ضابطہ:

سمبل میں شائع شدہ کسی بھی تحریر اور اس کے مصنف سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں۔(ادارہ)

سمبل میں شائع شدہ تحریروں کو علمی مقاصد کے لیے بغیر اجازت کسی بھی کتاب، رسالے یا ویب سائٹ میں حوالے کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جا سکتا ہے۔(ادارہ)

رابطہ:

ای میل: symlit@yahoo.com alimfashi@yahoo.com

سیل فون: 0300-5582082

خط کتابت رترسیل زر: رانی مارکیٹ، ٹینچ بھاٹہ، راول پنڈی کینٹ

ناشر:

علی محمد

طابع:

الیف۔آئی پرنٹرز، خورشید پلازا، کشمیر روڈ، صدر، راول پنڈی

مدیر: علی محمد فرشی

(شناختِ خاص: بورخیس)

جنوری تا جون ۲۰۰۸ء

شمارہ: ۳/۴

جلد: ۲

قیمت موجودہ شمارہ: ۱۸۰ روپے

قیمت فی شمارہ: ۷۵ روپے

رانی مارکیٹ، ٹینچ بھاٹا، راول پنڈی کینٹ، پاکستان

مدیر: علی محمد فرشی
سمبل